24

اخلاق فاضلہ کس طرح حاصل ہو سکتے ہیں

(فرمودہ ۲۶ جون ۱۹۲۵ء)

تشہد، تعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

میں نے کچھ عرصہ سے درستی اخلاق کے متعلق مضامین شروع کئے ہوئے ہیں۔ اور آج بھی اسی سلسلہ کو جاری رکھنے کے لئے اخلاق ہی کے متعلق کچھ بیان کروں گا۔ میں نے اپنے خطبات کے شروع میں بتایا تھا کہ اخلاق فاضلہ بھی انسان اسی طرح حاصل کر سکتا ہے۔ جس طرح دنیا کے اور درجے اور عہدے حاصل کرتا ہے۔ یعنی اخلاق فاضلہ بھی محنت اور کوشش سے ہی حاصل کر سکتا ہے۔

دنیا میں کوئی گر اور کوئی طریق ایسا نہیں کہ انسان بغیر محنت اور مشقت کے اعلیٰ سے اعلیٰ درجے اور ترقیات پر پہنچ جائے۔ چھوٹی سے چھوٹی چیز اور ادنیٰ سے ادنیٰ نعمت ہی کیوں نہ ہو۔ خدا تعالیٰ نے اس کا حصول بھی کئی تکالیف کے ساتھ معلق کیا ہوتا ہے۔ چھوٹے بچے بیر توڑنے کے لئے جنگل میں جاتے ہیں اور بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ ان کی انگلیاں کانٹوں سے زخمی ہو جاتی ہیں گو وہ بیر جن کو ایک بچہ مفت کی چیز خیال کرتا ہے۔ وہ بھی اس کو مفت نہیں ملتی۔ بلکہ اس کے حصول کے لئے بھی اس کو کانٹوں کی تکلیف برداشت کرنی پڑتی ہے۔ پھر جنگلی پھول ہوتے ہیں وہ بھی انسان کو مفت میں نہیں مل جاتے۔ بلکہ ان کے لئے بھی اس کو محنت اور مشقت اٹھانی پڑتی ہے۔ کیونکہ ہمیشہ جنگلوں اور پہاڑوں پر پھول ایسے مقامات پر ہوا کرتے ہیں۔ جہاں انسانوں کے قدم بہت کم پڑتے ہوں۔ اس لئے ان کے حصول کے لئے انسان ان تک جلدی اور آسانی سے نہیں پہنچ سکتا۔ پس وہ پھول جن کو انسان مفت خیال کرتا ہے۔ وہ بھی اسے حاصل نہیں ہو سکتے۔ جب تک کہ پہلے کانٹے نہ چبھوائے یا ان تک پہنچنے کے لئے کئی میل کی مسافت نہ طے کرے۔ اسی طرح شہد ہے اس کو بھی

انسان مفت کی چیز خیال کرتا ہے۔ لیکن جس چیز کو وہ مفت خیال کرتا ہے۔ اسے خدا تعالیٰ نے مکھیوں کے ڈنکوں کے نیچے رکھا ہوتا ہے۔ پہلے وہ ان کے ڈنک برداشت کرتا ہے۔ یا برداشت کرنے کے لئے تیار ہوتا ہے۔ محنت اٹھاتا ہے۔ تب کہیں جا کر اسے شہد نصیب ہوتا ہے۔ اسی طرح پانی ہے جس پر انسان کی زندگی کا دار و مدار ہے۔ چونکہ انسان کی زندگی کے قیام کے لئے پانی کا ہونا بھی نہایت ضروری ہے اس لئے اس کا سہل الحصول ہونا بھی ضروری ہے۔ مگر پانی کو بھی خدا تعالیٰ نے ہزاروں منوں مٹی کے نیچے رکھا ہوتا ہے۔ اور جب کنواں نکل آئے تو ڈول ڈالنا اور کھینچنا پڑتا ہے۔ صرف ایک ہی چیز ہے۔ جو انسان کو مفت حاصل ہوتی ہے اور وہ اس لئے کہ اس کے بغیر ایک منٹ بھی انسان زندہ نہیں رہ سکتا۔ غافل ہو یا ہوشیار ہو' سوتا ہو یا جاگتا۔ ہر حالت میں اسے اس کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ ہوا ہے اگر یہ بھی انسان کو مفت نہ ملتی تو وہ مرجاتا مگر باوجود اس کے یہ ہوا بھی بعض حالات میں نہایت قیمتی ہو جاتی ہے۔ مثلاً صحت کمزور ہو جاتی ہے۔ سل وغیرہ بعض ایسے امراض لاحق ہو جاتے ہیں کہ تبدیلی ہوا کے لئے پہاڑ پر یا سمندر کے کنارے یا ریتلے میدان کی ہوا کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور اس کے لئے سینکڑوں روپیہ خرچ ہو جاتا ہے۔ تو کبھی کبھی ہوا جیسی عام اور سہل الحصول چیز بھی قیمتی ہو جاتی ہے۔

پس جب ہر ایک چیز کے حصول کے لئے انسان کو محنت اور مشقت کرنی پڑتی ہے تو کیا یہ تعجب کی بات نہیں کہ وہ اعلیٰ درجے کی روحانی ترقی اور اخلاقی مراتب کے حصول کے لئے یہ چاہے کہ اس کو کوئی محنت اور مشقت نہ کرنی پڑے۔ اور وہ یونہی سفلی اور ادنیٰ زندگی سے نکل کر اعلیٰ اور ارفع مقام پر پہنچے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایسی عظیم الشان نعمت کے حصول کے لئے اسے کچھ بھی محنت اور کوشش نہ کرنی پڑے۔ اگر بیر توڑنے کے لئے پہلے کانٹوں کی تکلیف برداشت کرنا ضروری ہے۔ اگر پھولوں کے حصول کے لئے مشقت اٹھانی اور مسافت طے کرنی پڑتی ہے۔ اگر پانی کے لئے ڈول ڈالنا اور پھر کھینچنا پڑتا ہے۔ اور شروع میں کنواں کھودنا پڑتا ہے۔ تو پھر وہ اخلاق فاضلہ کہ جن کے ساتھ خدا تعالیٰ کا قرب اور وصل حاصل کر سکتا ہے۔ بغیر محنت اور مشقت کے کسی طرح حاصل ہو سکتے ہیں۔ پس اخلاق فاضلہ کے حصول کے لئے یہ خیال دل سے نکال دینا چاہیے کہ وہ کوئی پڑی ہوئی چیز ہے۔ جو یونہی مل جائے گی۔ یا کسی کا کھویا ہوا متاع ہے جو یونہی دستیاب ہو جائے گا۔ جب تک دوسری چیزوں کی طرح ان کے حصول کے لئے بھی پوری محنت اور کوشش نہ کی جائے اس وقت تک انسان اخلاق فاضلہ کے حصول سے محروم رہتا ہے۔

پھر جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اخلاق فاضلہ کا تعلق عادات سے ہے تو ان کے حصول میں اور بھی مشکل بڑھ جاتی ہے۔ کیونکہ بعض امور ایسے ہوتے ہیں کہ عادات ان میں حائل نہیں ہوتیں۔ اس لئے ان کا حصول آسان ہوتا ہے۔ چونکہ انسان کا ذہن اس چیز کو اس کے سامنے حاضر رکھتا ہے۔ اس لئے اس کے لئے یکسوئی پیدا کرنا بھی کوئی مشکل نہیں ہوتی۔ لیکن جو امور عادات سے تعلق رکھتے ہیں اور انسان کی عادات ان امور کے خلاف ہوتی ہیں ایسی حالت میں انسان ان کی طرف یکسوئی بھی پیدا نہیں کر سکتا۔ مثلاً ایک شخص یہ ارادہ کرلیتا ہے کہ میں علم حاصل کروں گا۔ یا مکان بنواؤں گا۔ بے شک اس کو محنت کرنی پڑے گی۔ روپیہ صرف کرنا پڑے گا۔ لیکن علم حاصل کرنے کا یا مکان بنانے کا خیال بھلانے والی مقابلہ میں کوئی چیز نہیں ہوتی۔ لیکن اخلاق فاضلہ کے حصول کا انسان ارادہ بھی کرے تو اس کی عادتیں ہر ایک قدم میں اس کے لئے روک ہوتی ہیں۔ کیونکہ وہ قلبی کیفیات اور اعمال ماضیہ کے اثر کے نیچے دبے ہوئے ہوتے ہیں۔ جو شخص کہ عمر کا ایک بڑا حصہ ظالمانہ رنگ میں بسر کرتا ہے آہستہ آہستہ اس کو اپنا ظلم بھی رحم نظر آنے لگ جاتا ہے۔ اسی طرح جو شخص جھوٹ کا عادی ہو چکا ہوتا ہے۔ وہ اپنے جھوٹ کو بھی سچ سمجھنے لگ جاتا ہے۔ اور اس کو سچ بنانے کے لئے بیسیوں جائز و ناجائز حیلے بہانے بناتا ہے۔ اس طرح جس کو خیانت کی عادت پڑ چکی ہو وہ خیانت کو امانت سمجھنے لگ جاتا ہے۔ جس کو بدگوئی اور بدکلامی کی عادت ہو چکی ہو وہ آہستہ آہستہ یہ سمجھنے لگ جاتا ہے کہ وہ کسی کا دل نہیں دکھا رہا۔ بلکہ حق بات اور مناسب بات کہہ رہا ہے۔ ایسے لوگ ظلم کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم تو کسی پر ظلم نہیں کرتے۔ ایسی حالت میں اخلاق فاضلہ کے حصول کا محض ارادہ کرلینا ہی کام نہیں دے سکتا۔ ایک شخص پورے زور کے ساتھ یہ ارادہ کرلیتا ہے کہ میں ظلم نہ کروں۔ لیکن جب موقع اور وقت آتا ہے تو وہ اپنی عادت سے مجبور ہو جاتا ہے اور ظلم کرتے ہوئے پھر کہتا ہے کہ میں ظلم نہیں کرتا۔ یہی حال دوسری بد عادات کا ہوتا ہے۔ اخلاق کی درستی تب ہی ہو سکتی ہے۔ جب انسان یہ سمجھے کہ مجھ سے بد اخلاقی ہوئی ہے لیکن جو شخص اخلاق میں ایسا گر جاتا ہے کہ صراحتاً گالیاں دیتا ہے۔ اور پھر کہتا ہے میں تو گالی نہیں دیتا۔ حالانکہ وہ اپنے متعلق ایک چھوٹی سی بات کو بھی پہاڑ کے برابر بنالیتا ہے۔ ایسے شخص کو اخلاق کی درستی کے لئے اس کا ارادہ بھی اس کو کچھ نفع نہیں دے سکتا۔ حضرت خلیفہ اول بعض آدمیوں کا مثال کے طور پر ذکر فرمایا کرتے تھے کہ اکثر ایسا ہوتا ہے۔ ان میں سے کوئی مجھے رقعہ لکھتا ہے اور میں درس میں نصیحت کے لئے اس رقعہ کا ذکر کرتا ہوں اور وہ شخص بھی موجود ہوتا ہے تو دوسرے دن جھٹ میرے

پاس اس کا رقعہ آجاتا ہے کہ آپ نے مجھے کافر کہا۔ منافق کہا اور بے دین بنایا۔ اور جب پوچھا جاتا ہے کہ کب تم کو کافر بے دین کہا گیا تو کہتا آپ نے مجھے جلد باز کہا ہے۔ حالانکہ مومن کی شان جلد بازی کرنا نہیں۔ اور جب میں مومن نہیں تو کافر ہوا۔ لیکن اگر اس طرح سے بات کو پھیلایا جائے تو کیسی ہی نیک نیتی سے بات کیوں نہ کی جائے۔ انسان اس کو برے سے برے پیرائے میں ڈھال سکتا ہے۔ اسی طرح بری سے بری بات کو نیکی کا جامہ پہنا سکتا ہے۔ یہ عادات کا ہی نتیجہ ہوتا ہے کہ انسان ان کے مقابلہ میں کمزوری دکھا کر اخلاق کی طرف قدم نہیں بڑھا سکتا۔ بلکہ ان عادات کے نیچے ایسا دب جاتا ہے۔ کہ بد اخلاقی کو بھی اخلاق شمار کرنے لگ جاتا ہے۔ حالانکہ وہی بات اگر خود اسے پیش آجائے تو ایک شور برپا کر دے۔ لیکن دوسرے کے متعلق اپنے اس فعل کو عیب یا بد اخلاقی قرار نہیں دیتا۔

پس اخلاق فاضلہ کے حصول میں ایک تو اپنے ارادے کی کمزوری دوسرے انسان کی عادت روک ہوتی ہیں۔ اس لئے اعلیٰ اخلاق کے حصول کے لئے سب سے ضروری چیز یہ ہے کہ انسان اپنی بد عادات کی اصلاح کرے اور ان کے اثرات سے بچنے کی کوشش کرے۔ جس کا طریق یہ ہے کہ وہ مراقبہ کرے مسلمانوں کی بد قسمتی سے مراقبہ کے بہت برے معنی ان میں رواج پا گئے ہیں۔ اس کے اصل معنی تو یہ ہیں کہ انسان اپنے اعمال پر غور کرے۔ اپنے اعمال کی نگرانی کرے۔ مثلاً اگر کسی سے اس نے اپنا کوئی حق لینا ہے۔ اس حق لینے میں اس نے جو طریق اختیار کیا ہے۔ اس پر غور کرے کہ اگر میں لینے کی بجائے دینے والا ہوتا اور میرے ساتھ ایسا طریق اختیار کیا جاتا تو میں اس کو اخلاق قرار دیتا یا بد اخلاقی یا جو بات میں نے دوسرے کے متعلق کہی ہے اگر وہی بات میرے متعلق کوئی کہتا تو میں کیا سمجھتا۔ پس مراقبہ کے معنی تو یہ تھے کہ اپنے اعمال کا محاسبہ کیا جائے۔ لیکن آہستہ آہستہ بد قسمتی سے اب مراقبے کے یہ معنی ہو گئے ہیں کہ سر نیچے کر کے بعض الفاظ رٹے جائیں۔ حالانکہ اس کے معنی نفس کی نگرانی کرنا ہے۔ اس لئے صوفیاء کا یہ طریق رہا ہے کہ وہ علیحدگی میں اپنے نفس کا مطالعہ کیا کرتے تھے۔ کیونکہ اس وقت جوش ٹھنڈے ہو چکے ہوتے ہیں اور اخلاق کا صحیح اندازہ ہو سکتا ہے۔ جب انسان علیحدگی میں سوچتا ہے۔ تو اسے معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھ میں نے دوسرے کے ساتھ کیا ہے وہی کچھ اگر کوئی میرے ساتھ کرتا تو میں یقیناً اسے ظالم یا جھوٹا یا فریبی قرار دیتا۔ اس طرح اسے پتہ لگ جاتا ہے کہ جس بات کی وجہ سے وہ دوسرے کو برا کہہ رہا تھا اسی بات کا وہ خود مرتکب ہوا ہے۔ تو مراقبہ اخلاق فاضلہ کے حصول اور اخلاق رزیلہ سے بچنے کا ایک بہت

بڑا ذریعہ ہے۔ اس لئے ایک تو میری یہ نصیحت ہے کہ آپ لوگ مراقبہ کیا کریں۔ یعنی اپنے اعمال کا محاسبہ اور اپنے نفس کی نگرانی کیا کریں۔ اس ذریعہ سے بہت جلد معلوم ہو جائے گا کہ جن باتوں کو کوئی شخص اپنی بد عادات کے اثر کے ماتحت نیکیاں خیال کرتا تھا وہ تو بدیاں ہیں۔ اور اس طرح بہت آسانی سے وہ اپنے اخلاق کی اصلاح کر سکے گا۔

عادت کے علاوہ ایک اور چیز بھی اخلاق فاضلہ کے حصول میں روک ہے۔ اور وہ قانون قدرت ہے۔ شائد آپ لوگ تعجب کریں گے کہ قانون قدرت تو اخلاق فاضلہ کے حصول میں مد ہونا چاہیے وہ روک کیسے ہو سکتا ہے۔ مگر اصل بات یہی ہے کہ قانون قدرت بھی اخلاق فاضلہ کے حصول میں روک ہو جاتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے یہ قانون بنایا ہے کہ انسان کو جس چیز کی ضرورت پیش آتی ہے۔ اس کے پورا کرنے کے لئے سامان بھی پیدا ہو جاتے ہیں۔ ان سامانوں کو موقع و محل کے مطابق استعمال کرنے کا نام اخلاق فاضلہ ہے۔ لیکن اگر ان طبعی تقاضوں کو جو خدا تعالیٰ نے انسان کے پیدا کئے ہیں۔ کوئی صحیح طور پر استعمال نہیں کرتا۔ تو ایسا انسان با اخلاق نہیں کہلا سکتا۔ اور نہ وہ شخص با اخلاق کہلا سکتا ہے جو اپنے طبعی تقاضوں کو بالکل مار ڈالتا ہے۔ بلکہ ان طبعی تقاضوں کو بر محل استعمال کرنے کا نام اخلاق فاضلہ ہے۔ مثلاً غصہ ایک طبعی تقاضا ہے۔ جو اس غرض کے لئے رکھا گیا ہے کہ انسان اس کے ذریعہ کسی مقابلہ کرنے والے کو روکے۔ اور اس کے ذریعہ مظالم کو بڑھنے نہ دیا جائے۔ گویا دوسرے کو اس کے ظلم کرنے اور نیکی کو مٹانے کی کوشش سے روکا جائے۔ اسی طرح انتقام ہے جو غصہ کا عملی پہلو ہے۔ بعض لوگ تو ایسے ہوتے ہیں جو دوسروں کے تیور دیکھ کر اور اس کے چہرہ سے غصہ کے آثار معلوم کر کے متاثر ہو جاتے ہیں اور ظلم اور بدی ترک کر دیتے ہیں۔ لیکن بعض انسان ایسے بھی ہوتے ہیں۔ جو چہرہ کے اثرات تو الگ رہے۔ زبان سے کہہ دینے سے بھی متاثر نہیں ہوتے۔ بلکہ وہ سزا اور انتقام چاہتے ہیں۔ غصہ کا پہلا درجہ تو یہ ہے کہ قلب میں نفرت پیدا ہوتی ہے۔ اور اس سے انسان کی اپنی اصلاح ہوتی ہے۔ کیونکہ اس کو یہ پتہ لگتا ہے کہ یہ فعل اچھا ہے یا برا۔ یہ فعل کرنا چاہیے۔ یہ نہ کرنا چاہیے گویا کسی چیز سے نفرت پیدا ہونے سے دوسرے کی اصلاح نہیں ہوتی بلکہ اپنی اصلاح ہوتی ہے۔ دوسرا درجہ غصہ کا یہ ہے کہ آنکھوں اور چہرے سے اس کا اظہار ہوتا ہے۔ اور تیسرا درجہ یہ ہے کہ سزا دی جائے غرض کبھی تو دل میں غصہ پیدا ہوتا ہے اور انسان سمجھتا ہے اس بات سے مجھے دکھ ہوا ہے۔ دوسروں کو بھی اس سے دکھ ہو گا اس سے بچنا چاہیے۔ اس طرح اس کے اپنے نفس کی اصلاح ہوتی ہے۔ اور کبھی چہرے سے غصہ کا

اظہار کرتا ہے اور جب حد سے بڑھ جاتا ہے تو دانت بھی پیستا ہے۔ کبھی آنکھیں نکالتا ہے۔ اور چہرہ سرخ ہو جاتا ہے۔ اور جوش کے مارے اس کی حالت ایسی ہو جاتی ہے جیسے مرگی کا دورہ۔

پھر دوسرا قدم غصہ کا یہ ہوتا ہے کہ وہ اس غصے کا اظہار زبان سے کرتا ہے۔ کیونکہ بعض لوگ اتنی قابلیت اور سمجھ نہیں رکھتے۔ کہ وہ چہرے سے غصہ کے آثار معلوم کرکے اپنی حرکت سے باز آجائیں۔ یا بعض طبیعتوں کے انسان چہرہ پر غصہ کے آثار معلوم کر کے بھی متاثر نہیں ہوتے۔ لیکن دوسرے کا زبان سے غصہ کا اظہار ان پر اثر کرتا ہے اور وہ بدی سے رک جاتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر تیسرا قدم غصہ کا وہ ہے جب انسان سزا دیتا ہے۔ اس سے ان لوگوں کی اصلاح ہوتی ہے جن پر زبان کے ذریعے غصہ کا اظہار کچھ اثر نہیں کرتا۔ اور وہ اپنی حرکات سے باز نہیں آتے۔

لیکن یہی صورتیں غصہ کی جن سے انسان کی اپنی اور دوسروں کی اصلاح ہوتی ہے۔ جب اپنی حد سے تجاور کر جاتی ہے تو بد اخلاقی کہلاتی ہیں۔ مثلاً جب انسان غصہ سے ایسا بھر جائے کہ اس کی دیوانوں کی سی حالت ہو جائے۔ ایک کتے کے پاس تو لوگ جانا پسند کریں۔ لیکن اس وقت اس کے پاس جانا گوارا نہ کریں۔ یا زبان سے غصہ کا اظہار کرتے ہوئے اتنا حد سے بڑھ جائے کہ گالی پر گالی دیتا جلا جائے۔ تو یہ اس کی بد اخلاقی بن جائے گا۔ اور قانون قدرت نے انسان کے اندر غصہ کا مادہ اس لئے رکھا ہے کہ اس کے ذریعہ وہ اپنی اور دوسروں کی اصلاح کرے۔ اس کی حد سے تجاوز کر کے اسے بد اخلاقی بنا لیتا ہے۔

اس سے بڑھ کر غصے کا جو مرتبہ ہے وہ انتقام اور بدلہ ہے۔ جیسے چور کا ہاتھ کاٹنا قاتل کو قتل کرنا۔ لیکن بدلہ لینے کے لئے بھی موقع اور محل ہوتا ہے۔ اور یہ بھی اس وقت تک جائز اور درست ہو سکتا ہے کہ موقع اور محل کے مطابق ہو۔ لیکن اگر اس میں انسان موقع کا خیال نہ کرے اور حد سے نکل جائے تو یہ بھی بد اخلاقی ہو جائے گی۔ مثلاً اگر کسی کی انگلی کسی کے پاؤں کے نیچے دب جائے تو اسے طبعاً غصہ آجائے گا انتقام اور بدلہ کی خواہش بھی پیدا ہو گی مگر اس وقت دیکھنا یہ ہو گا کہ بدلہ لینے کا موقع اور محل بھی ہے یا نہیں گو برابر کی سزا جائز اور اخلاق کے اندر داخل ہے۔ لیکن اگر کسی کا پاؤں غلطی سے اس کی انگلی پر پڑ گیا ہو تو پھر اس سے بدلہ لینا بد اخلاقی ہو گی۔ کیونکہ بدلہ بد نیتی پر موقوف ہے۔ ہاں اس کی غفلت کہلائے گی۔ اور اس وجہ سے وہ نصیحت کا تو مستحق ہے۔ لیکن سزا کا مستحق نہیں۔ اسی طرح اگر ایک چھوٹے بچے نے تھپڑ مار دیا ہو۔ تو یہ دیکھنا ہو گا کہ اگر اس سے برابر کا بدلہ لیا جائے تو کیا وہ اس کی برداشت کی طاقت بھی رکھتا ہے یا نہیں۔ اگر بچہ سے برابر کا بدلہ لیا

جائے اور تھپڑ کے بدلے اس کو تھپڑ مارا جائے تو وہ ایک تھپڑ سے بے ہوش ہو کر گر پڑے گا۔
تو بدلہ میں یہ بھی دیکھنا پڑے گا کہ برداشت کی طاقت بھی ہے یا نہیں۔ پھر یہ کہ بدلہ حد سے زیادہ تو نہیں اور پھر یہ بھی دیکھنا ہو گا کہ قانون کے مطابق ہے یا نہیں۔ اگر قانون کے خلاف کوئی بدلہ لیتا ہے تو وہ خود مجرم بنتا ہے۔ یعنی اگر قانون ملک اسے اجازت نہیں دیتا کہ وہ خود بدلہ لے اور پھر وہ لیتا ہے۔ تو خود مجرم بنتا ہے۔ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا اگر میں اپنی عورت کے پاس کسی غیر مرد کو بیٹھے دیکھوں اور اسے قتل کر دوں تو مجھ پر کوئی الزام تو نہ آئے گا۔ آپ نے فرمایا تم اگر قتل کرو گے تو قاتل ٹھہرائے جاؤ گے۔ بعضوں نے اس کی سزا قتل اور بعضوں نے کوڑے ہی رکھے ہیں۔ مگر شریعت اور قانون اس کو یہ اجازت نہیں دیتا کہ وہ خود سزا دے بلکہ شریعت یہی کہے گی کہ تم اس معاملہ کو حکومت کے سامنے پیش کرو۔ تو بدلہ لینے کی بھی کئی صورتیں ہوتی ہیں۔ اور گو بدلہ لینا طبعی تقاضے کے ماتحت ہے۔ لیکن طبعی تقاضوں کو بھی موقع اور محل کے مطابق پورا کرنا ضروری ہوتا ہے۔ مثلاً خدا تعالیٰ نے سورج پیدا کیا ہے اب ایک شخص اس خیال سے کہ خدا نے سورج اس لئے پیدا کیا ہے کہ اس سے فائدہ اٹھایا جائے۔ ہر وقت دھوپ میں بیٹھا رہتا ہے۔ تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہو گا کہ وہ سن سٹروک میں مبتلا ہو جائے گا۔ اور دو چار دن میں اسے شدید بخار ہونے لگ جائے گا۔ یا وہ سردی کے دنوں باہر برف میں پڑا رہتا ہے۔ اس خیال سے کہ برف خدا نے اسی لئے پیدا کی ہے کہ اس کو اس طرح استعمال کیا جائے۔ تو وہ نمونیا یا کسی اور شدید مرض میں مبتلا ہو کر مر جائے گا۔ دیکھو بارش برستی ہے تا لوگ اس سے فائدہ اٹھائیں۔ مگر کسی زمیندار کو نہیں دیکھو گے کہ وہ بارش کا سارے کا سارا پانی اپنے کھیت میں ڈال لے۔ بلکہ جب دیکھے گا کہ پانی زیادہ ہو گیا ہے۔ تو فوراً بند کاٹ کر نکال دے گا۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ سارے کا سارا بارش کا پانی اس کے کھیت کے لئے نہیں بلکہ اس سے ڈہابیں وغیرہ بھی بھرتی ہیں۔ جن سے اور بہت سے فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ تو ایک ہوشیار کسان مستعد کھڑا موقع کو دیکھتا رہتا ہے۔ اگر پانی زیادہ آگیا ہو تو نکال دیتا ہے۔ اور ضرورت سے کم ہو تو باہر سے اور پانی ڈال لیتا ہے۔ غرض ہر ایک کام کرنے کے لئے موقع اور محل کو دیکھنا ضروری ہوتا ہے۔ یہی بات طبعی تقاضوں کے لئے ضروری ہوتی ہے۔ جب ان کو موقع اور محل کے مطابق پورا کیا جاتا ہے۔ تو وہ اخلاق فاضلہ کہلاتے ہیں۔ ورنہ برائیاں بن جاتے ہیں یہ طبعی امر ہے کہ جس وقت انسان کو کسی سے تکلیف پہنچتی ہے تو اسے فوراً غصہ اور جوش آجاتا ہے۔ لیکن اسے یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ اس موقع کے لئے کتنا غصہ استعمال

کرنا چاہیے۔ یہ نہیں کہ سارے کا سارا غصہ اسی وقت استعمال کر لیا جائے۔ مثلاً اگر کسی بچہ کا پاؤں اس کے ہاتھ میں پڑ جائے اور وہ اس وقت بے تحاشہ اس کو مُکّہ مار دے۔ تو اس کی یہ حرکت ایسی ہو گی جیسے کوئی زمیندار بارش کے سارے پانی کو اپنے کھیت میں ڈال لے۔ جس طرح اس کا اپنے کھیت میں سارا پانی ڈالنا بے موقع ہو گا۔ اسی طرح اس کا اس وقت بچے کو مارنا بھی بے موقع اور بے محل ہو گا۔ یہ تو ایک طبعی امر ہے اور قانون قدرت میں یہ بات رکھی گئی ہے۔ کہ جہاں اس کو کسی سے دکھ یا تکلیف ہو گی۔ وہاں فوراً غصہ پیدا ہو جائے گا۔ مگر اس وقت غصے کو روکنا اور حد کے اندر رکھنا اس کا کام ہے۔

اسی طرح مالی یا جسمانی ضرورتیں ہیں۔ جس وقت انسان کو کوئی مالی یا جسمانی ضرورت پیش آتی ہے تو اس کے اندر طبعاً" ایک ایسا مادہ پیدا ہو جاتا ہے کہ جس سے وہ یہ چاہتا ہے کہ میں کہیں سے مال حاصل کر کے اپنی ضرورتوں کو پورا کروں۔ اب اگر اس مادہ کو وہ ایسے رنگ میں استعمال کرے کہ دوسرے کی امانت میں خیانت کر کے اپنی ضرورت کو پورا کرے تو یہ ناجائز ہو گا۔ اس خواہش کے پیدا کرنے کی تو یہ غرض تھی کہ وہ ہوشیار اور چوکس ہو جائے۔ اگر یہ خواہش اس کے اندر نہ رکھی جاتی جو حرص کی حد سے نیچے نیچے ہو۔ تو یہ دنیا میں کچھ بھی نہ کر سکتا۔

اسی طرح انسان کے اندر جو غدودیں ہیں۔ ان کے بہت سے فوائد ہیں۔ دماغ و دیگر قوئ کو طاقت دیتے ہیں۔ بعض غدود عقل و ہمت اور اخلاق اور شہوانی جذبات پیدا کرتے ہیں۔ لیکن اگر ایک انسان صرف شہوانی قوئ کے پورا کرنے میں ہی مصروف ہو جائے تو اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ اس کی عقل میں فتور آجائے گا۔ کیونکہ عقل کے پیدا ہونے کا بھی ان میں حصہ تھا۔ نہ یہ کہ صرف بچے پیدا کرنا ان کا کام تھا۔ تو طبعی تقاضوں کو ان کے دائرہ اور حدود کے اندر رکھنا اخلاق فاضلہ کہلاتا اور حد سے تجاوز کرنے کی صورت میں نقصان ہوتا ہے۔

قانون قدرت میں یہ بات پائی جاتی ہے کہ کوئی حرکت ضائع نہیں جاتی۔ مثلاً ایک پتھر دیوار سے مارو۔ تو اس کی حرکت ضائع نہیں جائے گی۔ بلکہ اس سے پتھر میں گرمی پیدا ہو جائے گی۔ اسی طرح پانی کی آبشار گرنے سے بجلی پیدا ہوتی ہے۔ جس سے ہزاروں بڑے بڑے مفید اور طاقت کے کام لئے جاتے ہیں۔ ابھی انگریزوں نے منڈی کی آبشار سے بجلی پیدا کر کے سارے پنجاب کو روشنی پہنچانے کی تجویز کی ہے۔

تو ہر ایک طاقت جو پیدا ہوتی ہے اگر اس کو روک لیا جائے اور محفوظ کر لیا جائے۔ تو اس

سے بہت بڑے بڑے فوائد حاصل ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح غصہ بھی ایک طاقت ہے اگر اس کو بھی روک لیا جائے۔ اور قابو میں کر لیا جائے تو اس سے بعض اور اعلیٰ درجے کے اخلاق پیدا ہوتے ہیں اسی طرح مال کے جمع کرنے کی خواہش جو حرص کی حد سے نیچے نیچے ہو۔ بہت سی نیکیوں اور دین کے کاموں کی طرف متوجہ کر دیتی ہے۔

برخلاف اس کے بعض طبعی تقاضوں کو اگر ان کی مناسب حد سے زیادہ روکا جائے تو وہ اور برے اخلاق پیدا کرنے کا موجب ہو جاتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ بعض بچے جب کھیلنے میں مصروف ہوتے ہیں۔ تو کھیل کی خاطر پاخانہ پیشاب روکے رکھتے ہیں۔ بڑی عمر میں ایسے لڑکوں کی طبیعت میں بخل پیدا ہو جاتا ہے۔ حالانکہ کہاں پاخانہ اور پیشاب کا روکنا اور کہاں مال جمع کرنا اور بخل کا پیدا ہو جانا۔ مگر یہ ایک تجربہ شدہ حقیقت ہے کہ ایسے بچے ۹۹ فی صد بڑی عمر میں جا کر بخل کے مرض میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اور ان میں سے ایک فی صد کو بھی میں اس لئے مستثنیٰ کرتا ہوں کہ بعض دفعہ اور مادی امور ان کے اس بخل کے اثر کو بدل دیتے ہیں۔ پاخانہ پیشاب کا روکنا ایک مادی امر ہے۔ لیکن اس سے طبیعت میں بخل پیدا ہو جاتا ہے۔ غرض اگر طاقتوں کو مناسب اور صحیح طریق سے محفوظ کر لیا جائے اور موقع اور محل کے مطابق ان کو صرف کیا جائے۔ تو بہت سے عمدہ اخلاق اور اعمال کا موجب ہو سکتی ہیں۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے کہ اگر روپیہ کسی جواریئے کو دیا جائے گا تو وہ اسے جوئے میں صرف کر دے گا۔ اور اگر کسی نیک آدمی کو دیا جائے گا تو وہ دین کے کام میں صرف کرے گا۔

تو جو طبعی تقاضے ہیں ان کو صحیح مصرف کے لئے اگر روکا نہ جائے تو پھر وہ طاقتیں انسان کے اختیار سے باہر ہو جاتی ہیں۔ اور پھر فوراً وہ ان پر تصرف نہیں کر سکتا۔ جیسے کہ ایک موٹر چلانے والا جب موٹر کو حد سے زیادہ تیز چلا بیٹھتا ہے۔ تو اس کو جلد قابو میں نہیں لا سکتا۔ قابو میں لانے کے لئے کچھ وقت چاہیے۔ یہی حال طبعی تقاضوں کا ہے کہ جب وہ جوش میں آتے ہیں۔ تو ان کو بھی حد اعتدال کے اندر لانے کے لئے کچھ وقت درکار ہوتا ہے۔ اس لئے رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب غصہ آئے تو پانی پی لو کھڑے ہو تو بیٹھ جاؤ۔ تا جو زائد غصہ ہے اور طرف خرچ ہو جائے۔ اور اتنا ہی باقی رہے جو جائز اور مفید ہے۔ بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ کسی کا پاؤں اگر کسی کے ہاتھ پر پڑ جاتا ہے۔ تو بہت غصہ کا اظہار کرتا اور زبان سے ایسے کلمات نکالتا ہے کہ اگر کوئی موقع ایسا ہوتا کہ اس کا پاؤں کسی پر پڑ جاتا اور وہ وہی کلمات کہتا تو کبھی پسند نہ کرتا۔ غصہ کرنے کا موقع تو تب ہے

کہ کوئی بدنیتی سے پاؤں رکھے مگر وہ جو غلطی سے یا غفلت سے ایسا کرتا ہے۔ وہ نصیحت کا مستحق ضرور ہے کہ اس کی بے احتیاطی اور غفلت سے دوسرے پر پاؤں پڑ گیا۔ مگر وہ غصے کا مستحق نہیں۔ اب اگر غصے کو صحیح طور پر استعمال کیا جاتا تو اس کے اخلاق بھی اعلیٰ رہتے اور اس کے علاوہ اس طاقت کو روکنے کی وجہ سے اس کو کئی اور نیکیوں کی بھی توفیق ملتی۔ اخلاق فاضلہ اس کا نام ہے کہ انسان طبعی تقاضوں کو شریعت کے مطابق استعمال کرے۔ پس جو طاقتیں خدا تعالیٰ نے انسان کے اندر رکھی ہیں۔ اگر انسان ان کو روکتا اور محفوظ رکھتا رہے۔ تو اتنا بڑا خزانہ اس کے پاس جمع ہو جائے کہ کروڑپتیوں سے بھی زیادہ مالدار ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو توفیق عطا فرمائے کہ ہم ایسے رنگ میں اپنے اخلاق اپنی عادات میں تبدیلی پیدا کریں کہ دوست اور دشمن بھی یہ مان جائیں کہ حضرت مسیح موعودؑ کو قبول کر کے ہم نے ایسی تبدیلی اپنے اندر پیدا کی ہے کہ اس کے لئے ہر ایک قسم کا دکھ اور تکلیف اٹھانا بالکل ہیچ ہے۔

(الفضل ۷ جولائی ۱۹۲۵ء)